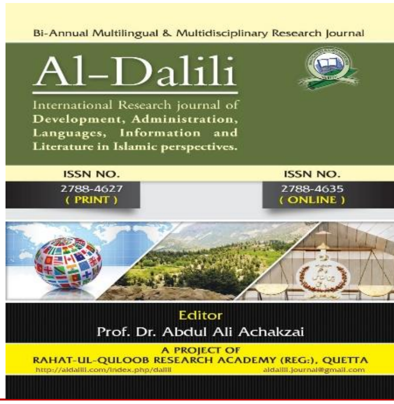

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

AL DALILI

Bi-Annual, Multilingual (Arabic, Balochi, Birahvi, English, Pashto, Persian,Urdu)
ISSN: 2788-4627 (Print), ISSN: 2788-4635 (online)
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.aldalili.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » IRI (AIOU), Tahqeeqat, Euro pub, MIAR.

TOPIC

پروفیسر نظیر صدیقی۔ہشت پہلو ادیب

Professor Nazir Siddiqui an octagonal Author

AUTHOR

1. Maqsood Ilahi Kundi, Ph.D Research Scholar, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan. Email: maqsoodmalik8820@gmail.com
2. Dr. Noreena Tehreem Babar, Associate Professor, Department of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan.

How to Cite: Maqsood Ilahi Kundi, & Dr. Noreena Tehreem Babar. (2022). URDU: پروفیسر نظیر صدیقی۔ہشت پہلو ادیب: Professor Nazir Siddiqui an octagonal Author. *Al-Dalili*, *4*(1), 23–33. Retrieved from https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/86

URL: https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/86
Vol.4, No.1 || July–December 2022 || URDU: Page. 23-33
Published online: 09-08-2022

QR. Code

پروفیسر نظیر صدیقی۔ہشت پہلوادیب

Professor Nazir Siddiqui an octagonal Author

[1] مقصود علی کنڈی [2] نورینہ تحریم بابر

ABSTRACT:

Nazir Siddiqi was undoubtfully well rounded literary personality. He was author of 28 Books, in which 19 Books are in Urdu and 8 in English. His basic shade was criticism. He was very skilled in Urdu Prose as well. He also wrote feature, Columns and Articles. He has particular style in writing Essay (Inshaa,iya) . at same time he was Safar nama nigar , Inshaa,iya nigar, Khaka nigar, Translater and Poet. He had vast study in English literature and insight on modern English literature. His poetry "Hasrat e Izhar" manifests the angle of his vision and mode of his thinking. Moreover, he has been contributing critical Articiles, Ligh Essay, Poems and literature Scatch. Nazeer Siddiqi was highly committed writer, creativity for his was serious business and he was an honest person with an open mind.

Keywords: Literary, Shade, criticism, Inshaa,iya, contributing

اردو ادب میں کئی ایسے ادیبوں کے نام ملتے ہیں جن کی ادبی شخصیت ہمہ جہت پہلوؤں کی حامل ہے۔ ان میں بعض ایسے ادیب بھی ہیں جنھون نے اپنی ساری زندگی ادب کے نام کردی۔ نظیر صدیقی بھی ایسی ہشت پہلو ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت استاد، نقاد، انشائیہ نگار، خاکہ نگار، سفر نامہ نگاراور مدون تھے۔

اردو ادب کے جدید تنقید نگاروں میں ان کا نمایاں مقام ہے۔ اپنے وسیع مطالعہ اوراردو انگریزی ادب پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے وہ ایک منفرد تنقید نگار تھے۔ بطور نقاد ان کے جرات، غیر جانب داری اور ہمدردی کا عنصر موجود تھا اس لئے وہ اپنی رائے اور ذات کا احترام کرتے تھے۔ وہ کلاسیکی ادب اور عصری ادب کے رجحانات سے خوب واقف تھے اوران پر محاکمہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کی تنقید کسی ایک صنف تک محدود نہیں تھی وہ ادب کے بنیادی خدوخال، آداب اورروایات پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ دنیائے ادب میں نقاد عموماً کسی نظریے کے قائل ہوتا ہے یاخاص نظریاتی تنقیدی فکر سے وابستہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ ادب کو پرکھتا ہے لیکن نظیر صدیقی آزاد خیال نقاد تھے ان کا کسی ادبی وغیر ادبی گروہ یاادبی تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کے دور میں ہمارا ادب فکر کے انتشار اور جذبات کے جس کرب اوراظہار کی افراتفری کی تصویر بناہوا تھا۔

"کسی بھی ادبی تحریک سے وابستہ نہیں رہا کیونکہ اس سے نقطہ نظر میں محدودیت پیدا ہو جاتی ہے میر الکھنا اندرونی تحریک کے تابع رہا ہے"۔[1]

اس سے بہت سے سوال پیدا ہوئے۔ ان سوالات کے جوابات دینے کیلئے صورت حال کی تہہ تک جانالازمی تھالیکن ہمارے تنقید نگاروں نے یہ ذمہ داری کو بوجھ اور خطرہ سمجھا۔ اس لئے ہماری تنقید راہنمائی کے فرائض انجام دینے میں ناکام رہی کیوں کہ سچ کا ساتھ دینے پر خطرہ مول لینا تھا۔ لیکن نظیر صدیقی نے یہ خطرہ مول لیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس خطرے کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہوگئے۔ اپنی

تنقیدی منصب نگاری کو ذمہ داری سے نبھانے کے لئے ہر وہ بوجھ اٹھایا جو پُر خطر سفر میں زادِ راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے اپنی چبھتی تحریروں کی وجہ سے وہ ادبی دنیا کے ہر کیمپ سے بے نیاز غیر وابستہ نقاد تھے۔ وہ ادیب کو کائنات کے غیر مبصر کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے ہر دلعزیز ہونے کا راز ان کی انفرادیت ہے۔

تنقید کے میدان میں ان کی انفرادیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگاتے ہیں کہ ساٹھ کی دہائی سے پہلے کے تنقید نگاروں نے اپنا اندازِ فکر بدلا اور تنقیدی اصولوں کی پاسداری کرنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنے ہم عصروں اور اپنے سے پہلے کے لوگوں کے تجربات سے استفادہ کیا اور تنقید کے میدان میں قابل قدر اضافہ کیا۔ ان اصحاب میں نظیر صدیقی بھی شامل تھے۔ اسی دور میں کچھ اچھے تنقید نگار بھی تھے جنہوں نے چند تنقیدی مضامین پر اکتفا کیا۔ تنقید و نظر کے حوالے سے ان میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو اچھے نقاد کے لئے ضروری ہیں۔ علم وادب سے گہری وابستگی کے علاوہ عمیق مطالعہ اور فطری تنقیدی شعور کے حامل تھے۔ تنقید چونکہ ایک مشکل کام ہے اس لئے ایسے لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔ لیکن بیسویں صدی کی آخری چار دہائیوں میں نظیر صدیقی منفرد نقاد کی حیثیت سے اس منصب سے جڑے رہے۔ انہوں نے بے لاگ تنقید کو اپنایا اور کھل کر بات کی۔

"ان کا شمار اپنے وقت کے نظریاتی نقادوں میں ہوتا ہے جو اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت خوف فساد خلق کو خاطر میں نہ لاتے تھے"[2]

ان کا انداز فکر محدود نہیں تھا۔ جانچ پرکھ کے اپنے زاویے تھے جو بھی اس کی زد میں آیا نہ بچ سکا۔ اردو ادب کیلئے جو تحریر بھی نقصان دہ ہوسکتی تھی اسے سخت الفاظ سے مسترد کیا۔ اس سے مختلف شعراء ادبا اور نقادوں کے فنی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے انداز بیاں، لب ولہجہ، موزوں اور آسان الفاظ کے برملا استعمال کا اعتراف اہل ادب نے اچھے انداز میں کیا۔ ان کی طرز تحریر قابل تحسین اور منفرد ہے۔ ان کے ہاں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی مضمون کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اس طرح کسی نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔

"اردو تنقید میں وسیع مطالعے ار جامعیت کا جو انداز نظیر صدیقی نے پیدا کیا ہے وہ منفرد بھی ہے اور بے مثال بھی"۔[3]

ان کی پہلی تنقیدی کتاب "تاثرات وتعصاب" ہے۔ یہ کتاب تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے جو آج سے تقریباً58 سال پہلے لکھی گئی۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود ان کے بعد تنقیدی مضامین اتنے فکر انگیز ہیں کہ آج تک ایسے مضمون نہیں لکھے گئے۔ فراق، یگانہ، فیض اور اجتبیٰ رضوی پر ان کے تنقیدی مضامین کا ثانی نہیں ہے۔ انہوں نے راست گوئی کی خصوصیت کو اپنایا۔ ان کا اپنا خیال تھا کہ نقاد کے لئے سب سے دشوار اور ناخوشگوار کام سچ بولنا ہے۔ اس لئے مصلحت اندیشی کے قائل نہیں تھے اور دوٹوک بات کہنے کو کبھی عار نہیں سمجھا۔ اس لئے اس کتاب میں شامل دس تنقیدی مضامین کو پاک وہند کے ادبا نے بہت سراہا۔ ان مضامین میں ان کی تنقیدی بصیرت کو پرجوش مداحوں جن میں بڑے ادبا شامل ہیں نے بہت داد دی۔

میرے خیال میں ان کا دوسرا تنقیدی مجموعہ تھا جو پہلی بار 1968ء میں شائع ہوا۔ اس میں گیارہ مضامین ہیں ان میں بعض ایسے تنقیدی مضامین ہیں جو ادب کی مختلف اصناف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے خلوص اور عقیدت کیساتھ ادبی شخصیات کی تنقیدی بصیرت اور فکر انگیزی کا تذکرہ کیا اور اپنے دعوے کو دلائل سے ثابت کیا۔ اس طرح کا کام ہمیں نقادوں کے ہاں بہت کم نظر آتا ہے۔ انہوں نے جدت کے نام پر شاعری میں ابہام کے تصور کو خاص موضوع بنایا کیونکہ ان کے خیال میں ابہام نہ صرف شعر وادب کے غلط مفروضات، ناقص

تصورات اور نا قابل حصول نصب العین کے راستے سے آیا ہے بلکہ تکنیک اور اسلوب کے بعض تجربات کے راستے میں بھی رکاوٹ ہے۔ نظیر صدیقی کے خیال میں ابہام پسند شاعروں کو مغربی ادب کی تاریخ میں روایات کا درجہ حاصل ہو چکا ہے کیونکہ ہمارے ہاں ایسے ادیبوں اور ناقدین کی کمی نہیں جو جدت اور جدیدیت کے جوش میں ہر نئے رجحان اور ادبی فیشن کو سمجھے بغیر بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنا لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تنقید میں نہ صرف ایسے شعراء کو بلکہ نقادوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جو اس قسم کی شاعری کی تائید میں مضمون لکھتے رہے۔ اپنے موقف کی حمایت میں نہ صرف انہوں نے مغربی نقادوں اور ادیبوں کی جابجا مثالیں دیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اردو شعراء کی مثالیں پیش کیں۔

1983ء میں تفہیم و تعبیر کتاب شائع ہوئی جو ان کے تنقیدی مضمون کا تیسرا مجموعہ ہے اس کتاب میں غالب، اقبال، مصطفی زیدی، جمیل مظہری اور پروین شاکر پر تنقیدی مضامین ہیں اس مجموعے میں کئی تحریروں میں احتیاط کا رویہ نظر آتا ہے۔ ان میں وہ اندا نہیں جو ان کی مستقل تنقیدی پہچان موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس دور میں نظیر صدیقی کے تنقیدی نظریات اہم اور سنجیدہ نوعیت کے تھے۔ اسکے دیباچہ میں انہیں خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ انکے تنقیدی نظریات اس لحاظ سے منفرد حیثیت کے حامل ہیں کہ وہ کسی بات پر سرسری تبصرہ نہیں کرتے بلکہ بات کی وضاحت مدلل انداز اور مثالوں سے بیان کرتے ہیں۔ اسی سال کی ایک اور تنقیدی کتاب اردو ادب کے مغربی دریچے شائع ہوئی۔ یہ بھی انکے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ نظیر صدیقی اپنے انگریزی ادب کے وسیع مطالعہ کی وجہ سے جدید ادب کے مغربی رجحان سے واقف تھے اس لئے اس مجموعے کے مضامین معلوماتی اور فکر انگیز ہیں۔ انہوں نے نہ صرف جدید مغربی شعرا کے کلام کا تجزیہ کیا بلکہ اپنی رائے بھی دی اس مجموعے کے تمام مضامین انفرادیت اور اہمیت کے حامل ہیں۔ انکے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظیر صدیقی کتنے وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ ان کا مطالعہ صرف مشرقی ادب تک محدود نہیں تھا۔ انہوں نے دوسرے نقادوں کیلئے بھی راہیں کھول دیں وہ پہلے نقاد ہیں جنہوں نے کولن ولسن اور جون ڈن کو اردو قارئین سے متعارف کرایا۔ انہوں نے انگریزی ادب کے کئی نئے دریچے کھول کر جو حاصل کیا دوسروں تک پہنچایا۔ "کسی زبان یا ادب کے مالدار ہونے کا ایک معیار یہ بھی ہے اس میں عالمی ادب کے شاہکاروں کے ترجمے کتنے ہوئے ہیں اور کیسے ہوئے ہیں"۔[4]

ان کی تنقیدی کتاب ڈاکٹر عندلیب شادانی، ایک مطالعہ 1985ء میں شائع ہوئی۔ بنیادی طور پر یہ کتاب شادانی صاحب کے متعلق نظیر صدیقی کی تحریروں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے انہوں نے شادانی صاحب کی شخصیت کے بارے وہ چیزیں محفوظ کیں جو ان کے پاس تھیں۔ یہ ان کا زمانہ طالب علمی تھا۔ شادانی اپنے طالب علم کی ادبی صلاحیت کے قدر شناس تھے۔ لیکن بطور نقاد نظیر صدیقی نے اپنی رائے کی صحت وصفائی کے حوالے سے شادانی کے ذوق کو سراہا اور اسلوب کی صاف و شفاف قرار دیا لیکن دوسری طرف بطور شاعر ان کے کلام کو نامکمل قرار دیا۔ مطلب کہ عقیدت مندی کے ساتھ ساتھ مبالغہ آرائی کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ 1983ء میں اردو میں عالمی ادب کے تراجم کے عنوان سے ریڈیو پاکستان اسلام آباد سے ایک پروگرام شروع ہوا۔ انگریزی ادب سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے نظیر صدیقی کو اردو میں مغربی ادب کے تراجم سونپے گئے۔ انگریزی ادب پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے انہوں نے اس کام کو خوب نبھایا۔ نظیر صدیقی کے تنقیدی نظریات اردو ادب کے دیگر نقادوں سے مختلف اور انفرادیت کے حامل ہیں۔ ان کے مطابق اگر ایک زبان کی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان کی نثر میں کیا جائے تو اس میں شعری تاثیر منتقل ہو سکتی ہے۔ اگر ردیف، قافیے اور وزن کا اہتمام کیا جائے تو دوسری زبان کا کچھ حصہ شاید منتقل نہ ہو۔ اس کے لئے انہوں نے دلائل بھی پیش کئے۔ دس منٹ کی تقاریر میں نظیر صدیقی نے مغربی ادب سے شہرہ آفاق اصناف کے تراجم پر تنقیدی بحث کی کہ کسی بھی

ادب کے لئے دوسری زبان کے تراجم کس قدر مفید ہوسکتے ہیں۔ اور ایسے تراجم کے روکنے پر بھی زور دیا جو جدت کے نام پر اردو ادب میں نقصان دہ ثابت ہوسکتے تھے۔ انہوں نے اسی کتاب کے آخر میں مغربی فلسفی برٹریڈ رسل جو نظیر صدیقی کی پسندیدہ شخصیت تھے کے فلسفہ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ امریکہ کے ممتاز ادیب مارک ٹوئین کو اردو قارئین سے متعارف کرایا۔ مغربی تراجم کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ مغرب کے ادبی کارناموں سے دلچسپی لینا اور ان کی عظمت کو سمجھنا مغرب کی ذہنی غلامی کے مترادف نہیں۔ مغرب چونکہ سائنس و ٹیکنالوجی اور فلسفہ و ادب میں ہم سے آگے رہے اس لئے ان کے تجربات سے انسانیت کی فلاح سے فائدہ اٹھانا غلط نہیں تاہم ہر معاملے میں مغرب سے اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ ان کے خیال میں کسی زبان کے مالدار ہونے کا یہ معیار بھی ہے کہ عالمی ادب سے کتنے ترجمے اس میں ہوئے ہیں کیوں کہ ترجمے زبان کے تخلیقی سرمائے کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق تخلیق کار کی ذہنی نشوونما اور تاریخی ارتقاء کا اندازہ اس کے تحریروں کے تسلسل سے ہوتا ہے۔

”اس طرح کے دریچے مجھ سے پہلے دوسرے لوگوں نے بھی کھولے ہیں جن سے اردو ادب کو یقیناً فائدے پہنچے ہیں لیکن مجھ میں اور دوسروں میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ میں نے مغربی شعر و ادب کی طرح اردو ادب کے بعض دریچوں کو کھولنے ہی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ میں نے ان دریچوں کو بند کرنے کی بھی کوشش کی ہے جن سے تازہ ہوا کی بہ نسبت گرد زیادہ آنے لگی ہے۔“[5]

اس لئے ان کی ہر نئی آنے والی تنقیدی کتاب افادیت اور اہمیت کے حوالے سے منفرد تھی۔ اس تسلسل کی کڑی گزر گاہ خیال ہے جو انکے زندگی کے آخری سالوں میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں زیادہ تر مضامین رسالوں سے نقل کئے گئے۔ ان مضامین میں زیادہ رشید احمد صدیقی چھائے رہے۔ اس کے علاوہ نظیر صدیقی نے نہ صرف معروف شعراء کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا بلکہ بعض قابل اور گمنام شعراء کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ نظیر صدیقی کے مطابق تنقیدی ادب کی بنیاد تخلیقی ادب پر ہوتی ہے۔ تخلیقی ادب کو اولین اہمیت حاصل ہے جب کہ بہترین تخلیقی ادب کے مقابلے میں بہترین تنقیدی ادب کا درجہ ثانوی رہے گا۔ ایک دور کا تنقیدی ادب اپنے ارتقائی مدارج کی وجہ سے دوسرے دور سے مماثلت نہیں رکھتا لیکن تخلیقی ادب میں تبدیلی نہیں آتی اس کے بارے میں نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ تنقیدی شعور اچھی تخلیق کا ضامن ہوتا ہے۔ ادب انسان کو زندگی سمجھنے کے قابل بناتا ہے اور ادب کو سمجھنے میں تنقید مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں تنقید ایسی نثری صنف ہے جو تخلیقی اصناف کو جانچنے اور پرکھنے کے عمل سے وجود میں آئی ہے۔ ادب معاصرانہ مزاج اور معیار سے پرکھا جاتا ہے اس لئے اعلیٰ درجے کا تنقیدی شعور رکھنے والے شعراء اعلیٰ درجے کے شاعر بن سکتے ہیں۔ غالب اور اقبال کے بارے میں ان کا یہی خیال تھا۔ غالب کو بلند پروازی اور فلک پیمائی کے باوجود زمین کا شاعر کہتے ہیں۔ زمینی حقائق کے شاعر ہیں جو ملٹن کی طرح انسان کیلئے خدا کے نظام حیات کا جواز پیدا نہیں کرتے بلکہ جون ڈن کی طرح خدا کے سامنے انسان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ غالب ان کو اپنے انداز بیاں کی وجہ سے بہت پسند تھے۔ وہ غالب کے ذہن کو سلیقہ مند اور تجرباتی سمجھتے تھے۔ اقبال کی شاعری کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ معجزہ فن کی نمود ہے اور قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہے۔ انہوں نے اقبال کی فکر کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور منفرد انداز میں اپنے تنقیدی خیالات کی صورت میں بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں اقبال نے انفرادی اور اجتماعی خودی کی تربیت اور تکمیل کیلئے جو راستہ بتایا اس پر چلنے کے لئے صرف انسان ہونا کافی نہیں مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اقبال کا یہ فلسفہ دوسرے مذاہب کیلئے قابل قبول نہیں کیونکہ ایک مذہب کے نظریات دوسری قدموں کیلئے پیروی کرنا ضروری نہیں۔ نظیر صدیقی کے

تجزیے کے مطابق مذہبی حد بندیوں کے باوجود اقبال کی شاعری نیک نیتی پر مبنی ہے۔ انہوں نے اقبال پر تنقیدی مضامین میں اُن کے افکار کو سراہا بھی ہے اور اختلاف بھی کیا ہے۔ اقبال پر اپنے مضمون میں انہوں نے اقبال کے تصورات کو کھل کر بیان کیا اور اپنے خیالات سے وضاحت کی۔

نظیر صدیقی اپنے دور کے صف اول کے ناقدین میں سے تھے۔ ان کی تنقید کے میدان میں انفرادیت ان کی نیک نیتی اور راست گوئی ہے۔ وہ پہلے تنقید نگار ہیں جنہوں نے انگریزی میں تنقیدی کتابیں لکھیں۔ ان کی انگریزی تنقید پر کتابوں کی تعداد آٹھ کے قریب ہے۔ ان کتابوں کے تنقیدی مضامین میں انہوں نے اردو ادب کا خاکہ اور مختصر تاریخ بیان کی ہے اور اردو ادب کی بعض اہم معلومات بیان کیں۔ اردو کی اصناف کا تعارف کرایا اور اردو ادب میں ایسے ادیبوں کا ذکر کیا جو منفرد اور نمایاں تحریروں کے حامل ہیں۔ اپنے مضامین میں انہوں نے مختلف ادبی تحریکوں کو بھی موضوع بنایا۔ جن مضامین میں تنقیدی حوالے سے اگر بات نہیں کی تو سرسری تبصرہ سے بہت سی معلومات فراہم کیں۔ بہر حال یہ مضامین گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہیں اور انگریزی پر ان کی گرفت کا نمونہ اور ان کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہیں۔ یہ ادب، شاعری اور فلسفے کا احاطہ کرتے ہیں۔ انہوں نے انگریزی میں تنقیدی مضامین لکھ کر عالمی سطح پر اپنے حلقہ قارئین کو بڑھایا اور غیر ملکی ادبا سے ذہنی رشتہ قائم کر کے اپنے آپ کو متعارف کرایا۔ اردو کی طرح ان کے انگریزی مضامین میں بھی شگفتگی ملتی ہے۔ ساٹھ کی دہائی نظیر صدیقی بطور انشائیہ نگار اور دانشور برصغیر میں اپنی پہچان نا چکے تھے۔ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی انشائیہ نگاری کو بھی خوب سمجھ سکتے تھے۔ اپنے منفرد اسلوب، ندرت خیال اور سماجی عکاسی کے باعث اردو انشائیہ میں معتبر حوالے کے طور پر سامنے آئے۔ اپنے انشائیوں میں انہوں نے سماجی مسائل اور معاشرتی بے اعتدالیوں کو موضوع بنایا۔ اپنی زبان اور لب و لہجہ میں ظریفانہ طرز گفتار و طرز تحریر کے حامل عمدہ قلم کار تھے۔ ان کے ہاں سنجیدہ موضوعات کی پیش کش میں ظریفانہ اور طنزیہ اسلوب کی جھلک ملتی ہے۔ اس خصوصیت کی وجہ سے وہ چاہتے ہیں۔ کہ قارئین اپنے باطن میں جھانک کر خود احتسابی پر مجبور ہوں۔ ان کی نثری تخلیقات میں گہرا شعور ان کے مشاہدات اور تجربات کا نتیجہ ہے۔

"وہ انشائیہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے ابھرے بلکہ اردو ادب کی دنیا میں وہ پہلے انشائیہ نگار کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔"[6]

انہیں زندگی میں آسودگی کبھی حاصل نہیں رہی اس لئے اس کا عکس ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ ذاتی، سماجی اور سیاسی حالات نے انہیں قنوطی مزاج کا حامل شخص بنا دیا تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز کا عکس ان کے فکری مزاج میں ملتا ہے۔ ان کے انشائیوں میں طنز سے کئی سماجی، سیاسی اور مذہبی زاویے اور فکری پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ دوستی اور اس میں پائے جانے والے مسائل کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے عہد حاضر کے لوگوں میں دوستی کے نام پر پائی جانے والی خرابیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کو بیان کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صاف گو اور راست گو انسان تھے۔ وہ معاشرے کے افراد کے متعلق عجیب سوچ رکھتے ہیں۔ ایک زاویہ نگاہ وہ عوام کسی محبت سے عاری نظر آتے ہیں دوسری طرف اسی عوام کے حق کے لئے آواز اٹھانا ضروری خیال کرتے ہیں۔

جب ایک سچا اور سادہ انسان مسائل بے توجہی اور بے حسی جیسے مسائل سے گزرے تو وہاں غیر دانستہ طور پر غم و غصہ جیسے سخت اور تلخ جذبات مزاج کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس لئے غصہ ان کے انشائیوں کا محرک تھا۔ اور جب یہ غصہ انشائیہ جیسی کومل صنف نثر میں آئے تو طنز جیسا سخت رویہ قدرتی طور پر اس کا جزو بن جاتا ہے۔ نظیر صدیقی کے انشائیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقلید پسند نہ تھے وہ اپنا منفرد رنگ نمایاں لب و لہجہ اور ذاتی تفکر رکھتے تھے۔ غالباً وہ روش عام سے ہٹ کر چلنا چاہتے تھے۔ اس لئے اپنے نظریات کا پرچار اپنے انداز سے

کرتے ہیں۔ اس پرچار سے وہ انسانی فطرت اور انسانی رویوں پر طنز اور کمزوریوں کا کھوج لگاتے ہیں۔ اس لئے نظیر صدیقی اردو ادب کے ان چند ناموں میں شمار کئے جاتے ہیں جنھوں نے انسانی منفقانہ رویوں اورانسانی نفسیاتی کمزوریوں کو بے باک انداز میں نشانہ بنایا۔ انہوں نے اپنے مذہبی نظریات کو بھی اپنے انشائیوں کا حصہ بنایا۔ ان کے مطابق عوام الناس نے مذہبی سرگرمیوں کو رسم ورواج کی صورت میں ڈھال رکھا ہے۔ خدا کیساتھ تعلق کے معاملہ میں انسان خود غرضی اور مصنوعی بے جان نظریات کے خلاف انہوں نے ہمت سے قلم اٹھایا۔ ان کے نظریات برٹرینڈ رسل کے نظریات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اپنے انشائیوں میں ہماری کم علمی، توہمات پرستی اور خدا کے وجود اور تصور کے متعلق پائے جانے والے شکوک پر طنز کرتے ہیں کہ انسانوں نے اس دنیامیں سینکڑوں خدا پیدا کر رکھے ہیں۔ سوچنے والوں کے لئے سمجھنا مشکل ہو گیا ہے کہ انسان کا خالق خدا ہے یا خدا کا خالق انسان ہے۔ انہوں نے اپنے انشائیوں سے معاشی و سماجی برائیوں کے محرک تلاش کرنے کی کوشش بھی کی۔ حساس طبیعت کی وجہ سے اپنے گرد وپیش کے مسائل اورالجھنوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے سماج کی عکاسی بہتر انداز میں کی۔ انسانی غربت، مسائل اور مجبوریوں کی آڑ میں کائنات کے حسین گوشوں سے آنکھیں روشن کرنے کا خواب متوسط طبقہ کے لئے محض ایک خواب ہی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ متوسط طبقہ کے لئے آواز بھی اٹھاتے ہیں، سماج کے مختلف شعبوں پر قلم اٹھاتے وقت ان کی اس روش سے آگاہی ہوتی ہے کہ مسئلہ معاشی ہو، سماجی ہو، سیاسی ہو یا مذہبی ہو نظیر صدیقی کی سوچ مذہب سے شروع ہوتی ہے اور مذہب پر ختم ہوتی ہے۔ ان کے انشائیہ معاشرے کی تصویر دکھارہے ہوتے ہیں۔ کئی مقامات پر تو ایسے لگتا ہے کہ نظیر صدیقی محض انشائیہ نگاری نہیں کررہے بلکہ ہمارے متعلق کھلی تنقید کررہے ہیں۔ ان کے انشائیوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ زندگی کی اصل روح کو پہچانتے ہوئے زندگی کے معاملات کا ادراک کررہے ہوتے ہیں۔ ان کے انشائیوں میں ان کا طرز تحریر منفرد مقام کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں جملے موقع محل کے مطابق استعمال کئے ہیں۔ زبان کے معاملے میں کہیں مشکل پسندی، ثقیل لب ولہجہ، غیر معروف تراکیب، فارسیت کا استعمال کم ہی کیا ہے۔ انہوں نے اپنی بات کی تبلیغ کے لیے سادہ گوئی سلاست اور عوامی لہجے کا استعمال کیا ہے۔ اس لئے ہر ذہنی سطح کا قاری ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

ان کے طرز تحریر میں طنز و مزاح کا عنصر نمایاں ہے۔ اپنے اسلوب میں بعض مقامات پر بے تکلفانہ انداز بھی اپنا لیتے ہیں۔ ان کے ہاں یک رنگی نہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور موقع کی مناسبت سے اپنی تحریر میں شگفتگی مناسبت اور بے تکلفانہ انداز بھی بدلتا رہتا ہے ان کے انشائیوں کی خوبی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ انشائیہ نگاری کے اصولوں مکمل طور پر واقف تھے۔

نظیر صدیقی نے بطور شاعر اپنی باطنی وخارجی کیفیات، مشاہدات اور تجربات کے ابلاغ کے لئے شاعری کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کے اردگرد کے ماحول میں جو احساسات جنم لیتے وہ ان کے ذہن کی کسوٹی سے پاس ہو کر خوبصورت الفاظ کا روپ دھار کر کاغذ کی زینت بن جاتے۔ فکر وفن کے حسین امتزاج، عصری شعور اور زبان وبیان کے خوبصورت استعمال سے انہوں نے غزل گوئی کے مشکل کام کو آسانی سے نبھایا۔ قطعات اور نظمیں بھی لکھیں لیکن غزل ان کی شاعرانہ پہچان بنی۔ ان کی غزل روایت کی پاسداری بھی ہے۔ جدید عرصی تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے اور ان کے جذبات کے ابلاغ کا ذریعہ بھی۔ انہوں نے اپنی شاعری کو تنقید اور انشائیہ کے بعد اظہار کا تیسرا وسیلہ اور اپنا ذوق کہا ہے۔ ان کی غزل میں حسن وعشق کا اظہار شائستہ، مہذب اور عاشقانہ غزل گوئی کی روایت سے ہٹ کر ہے۔ انہوں نے اس تصور کو نئے انداز سے پیش کیا۔ ان کی شاعری میں بے ساختہ پن قدرتی ہے وہ اپنے دل کی بات کو سادگی سے پیش کرنے کا فن جانتے تھے۔ انہوں نے انشائیہ کی

طرح شاعری میں بھی معاشرتی ناہمواریوں کو اپنا موضوع بنایا۔ سماجی طبقات اور حیثیت کے نشیب و فراز کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا۔ چونکہ حساس طبیعت کے مالک تھے اس لئے معاشرتی ناہمواری اور ناانصافی ان کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہر چیز کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس لئے ان کی شاعری میں خصوصاً غزل میں غم اور مایوسی کا عنصر نظر آتا ہے اور وہ اس دنیا سے ہمیشہ بے زار نظر آتے ہیں کیونکہ ایک نرم دل انسان کے طور پر وہ دنیا کو برابری کی طرح پر دیکھنا چاہتے تھے۔ جہاں پر ایک کو اپنا حق حاصل ہو۔

"ایک زمانے تک میری زندگی کی طرح میری شاعری پر بھی جذبات کی حکومت رہی ہے اور اب ایک مدت سے میرے ذہن کی طرح میری شاعری پر فکر کی حکمرانی ہے۔"[7]

نظیر صدیقی کی نظم تصور اور تجربے کا حسین امتزاج ہے جس میں زندگی کے تجربات حقیقت کے بہت قریب ہیں۔ انہوں نے جو بھی محسوس کیا ایمانداری سے اسے شاعری کا روپ دیا۔ ان کی نظم میں بغاوت نظر آتی ہے نہ جذبات جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں استدلال سے کرتے ہیں۔ اپنی سوچ کو فوقیت دیتے ہیں۔ آزاد خیال ہونے کی وجہ سے ہر چیز کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ مذہبی نکتہ نظر سے ان کے خیالات مختلف ہیں۔ حقوق العباد کے قائل تھے۔ خدا کی خدائی سے ناامید نہ تھے اپنی کوتاہیوں سے واقف تھے۔ اس لئے رشک کے عنوان سے ایک نظم توبہ اللہ کے حضور پیش کی۔ نظیر صدیقی کی شاعری میں روایتی طور پر تمام موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ جو ہمیں اردو شاعری کی روایت اور بڑے شعراء کے ہاں ملتے ہیں۔ ان کی شاعری میں رومان، سیاست، معاشرت اور مابعد الطبیعیات نظریات ملتے ہیں۔ یہ تصورات حقیقت اور سچائی پر مبنی ہیں۔ ان موضوعات کے مطالعے سے ان کے فکری احساسات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں فنی لحاظ سے شاعری کے ضابطے موجود ہیں جن سے شاعری موزونیت اور معنویت پیدا ہوتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جہاں شاعری میں مشاہدہ اور تخیل کار فرما ہے وہاں فن شاعری پر قدرت حاصل ہونا ضروری ہے تاکہ فکر و فن کی ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔

نظیر صدیقی شاعری میں تقلیدی رویہ اور روایت پسندی تھی لیکن انہوں نے اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنا پر اسے منفرد بنایا۔ اس لئے ان کے ابتدائی دور اور بعد کی شاعری کے اسلوب اور فن و فکر میں تنوع اور ارتقاء نظر آتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری خصوصاً غزل کے موضوعات میں تشبیہات، استعارات، لفظیات، تراکیب، قافیہ اور ردیف کا خوبصورت استعمال کیا۔ ان کی شاعری میں فن حقیقت کے قریب اور مصوری جیسا ہے۔ بطور شاعر ان کی شاعری جذبات، فکر اور خیال کے تابع ہے۔ اس شاعری میں فکر و خیال کی باریکی، رنگینی، مضمون آفرینی اور لفظوں کی صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بہترین استعارے، باکمال تشبیہات، مربوط زمینیں اور منفرد تراکیب استعمال کی ہیں۔ ان کے ہاں لفظ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری کی بنیاد جذبہ، فکر اور خیال پر ہے۔ اگرچہ ان کی شاعری کو ہم عصر ادبی منظر نامے میں پذیرائی نہیں ملی اور نہ ہی ان کے کلام کا جائزہ لیا گیا۔ تاہم پھر بھی ان کی مختصر شاعری ان کے انفرادی تخیل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کے نثری کارناموں میں خاکہ نویسی کا معیار اردو ادب کی روح کے عین مطابق ہے۔ انہوں نے خاکوں میں شخصیت کو بہترین انداز میں ویسا ہی پیش کیا جیسا کہ وہ ہو سکتا ہے۔ اپنے خاکوں میں وہ شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو غیر جانبدارانہ طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاکہ نگاری کے سلسلہ میں ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ دیکھے ہوئے افراد کی ذات، شخصیت اور اس کے تمام تر متعلقات کو قلم بند کر دیں اس طرح انہوں نے خاکہ نگاری کو معلوماتی تخلیق کا درجہ دیا۔ انہوں نے اردو ادب کی چند

قد آور شخصیات کے خاکے تحریر کئے ہیں۔ انہوں نے خاکہ نگاری عام روش سے ہٹ کر کی۔ وہ انسان کا احترام کرتے ہیں اور اسے اس کی کمزوریوں کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے اردو ادب کی بعض شخصیات پر اتنا لکھا جتنا پہلے شاید نہیں لکھا گیا تھا۔ یہ خاکے ادب میں ان کی ضمنی سرگرمی تھی کیوں کہ ان کا اصل میدان تنقید اور شاعری تھا۔ ان خاکوں کے ذریعے ادبی شخصیات کی معلومات کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کی خاکہ نگاری مفید اور معلوماتی ہے۔ ان کے ذریعے بہت سے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی زندگی کے ان گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جن سے عام لوگ واقف نہیں ہیں۔ ان کی خاکہ نگاری جدید خاکہ نگاری کی تعریف پر پورا اترتی ہے۔

"انہیں لکھتے وقت میرا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ متعلقہ شخصیتوں کے جو پہلو میرے مشاہدے اور علم میں آئے ہیں انہیں محفوظ کر دیا جائے"۔[8]

نظیر صدیقی دیگر ادبی جہات کے ساتھ ساتھ سفر نامہ نگار بھی تھے لیکن انہوں نے سفر نامہ نگاری کے لئے کوئی باقاعدہ کام نہیں کیا یہ ان کی ضمنی ادبی سرگرمی تھی۔ انہیں سیر و سیاحت اور نئے نئے گوشے دیکھنے سے رغبت تھی اس لئے انہوں نے اپنی زندگی میں مختلف غیر ملکی سفر کئے۔ ان میں تقریباً چار بار ہندوستان گئے ایک مرتبہ دوبئی، ابوظہبی ایک بار لندن اور چین کا سفر کیا۔ لندن اور چین کا سفر خالصتاً تعلیمی نوعیت کا تھا اور ہندوستان کے سفر میں انہوں نے اردو ادب کی بہت سی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے مطابق رجعت پسند سفر ہی سفر کے تفریحی پہلوؤں کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ وہ سفر میں عام سفر سے ہٹ کر کھوجی کے ذہن کے مطابق سفر کرتے تھے۔ وہ عارضی خوبصورتیوں اور انسانی گروہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سفر ناموں میں تہذیبی ثقافت اور علمی و ادبی ترقی کا جائزہ لیا۔ وہ بظاہر قدرت پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر قنوطیت پسند تھے۔ ان کی نظر ہمیشہ انسانی رویوں پر ہوتی تھی۔

نظیر صدیقی نے ادب کے ہر میدان میں قلم چلا کر اپنی تخلیقی توانائیوں کا ثبوت دیا۔ انہیں میدانوں میں ایک مکتوب نگاری ہے۔ معاصرین میں بطور مکتوب نگار ان کے خطوط میں اپنے عہد کی روایات اور منظر کشی ملتی ہے۔ مکتوب نگاری کے میدان میں انہوں نے اس وقت قدم رکھا جب وہ زمانہ طالب علمی میں تھے۔ ادب کے طالب علم کی حیثیت سے انہوں نے اس وقت کے شہرہ آفاق ادیبوں سے ملنے اور ان کو خط لکھنے کی کوشش جاری رکھی تھی۔ ادبی نگارشات کے علاوہ وہ پابندی اور مستعدی سے خطوط لکھتے تھے۔ ان کے خطوط کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطوط میں وہ تمام خطوط شامل ہیں جو سید سلمان ندوی سے لے کر نظام صدیقی تک ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو لکھے گئے تھے۔ نظیر صدیقی کو غیر ملکی دانشوروں نے بھی خطوط لکھی جو "ٹو مسٹر نظیر صدیقی" کے نام سے شائع ہوئے ان خطوط میں کولن ولسن کے خطوط اہمیت کے حامل ہیں۔ پیش لفظوں میں انہوں نے شخصیات کا تعارف بھی کرایا جنہوں نے خط لکھے۔ پروین شاکر کے خطوط خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان خطوط میں پروین شاکر نے اپنے خاندانی پس منظر اور ادبی خیالات کا اظہار کیا ہے اس کے علاوہ ان سوالات کے جواب بھی دیئے جو نظیر صدیقی کی طرف سے اٹھائے گئے تھے۔

نظیر صدیقی نے جو خطوط مختلف ادبی شخصیات کو لکھے تھے انہیں جاوید وارثی نے یکجا کیا اور شائع کرنا چاہتے تھے لیکن زندگی نے انہیں موقع نہیں دیا ان خطوط میں ذاتی حالات، ادبی مباحث اور مختلف معاملات پر بحث ہوتی تھی۔ ان کے خطوط خالصتاً ادبی نوعیت کے ہیں۔ خطوط میں ان کا طرز تحریر اور اسلوب وہی ہے جو ان کی باقی نثری تخلیقات میں ہے۔ نپے تلے مخصوص جملے اور خوبصورت لفظیات سے مزین ہیں۔ ان

خطوط میں ان کے ادبی دور کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہوں نے بڑے چھوٹے ادیبوں کو جو خطوط لکھے وہ راست گوئی کے نمونے ہیں انہوں نے سچ بات کو ہمیشہ دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔ وہ نتائج کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے خطوط اردو ادب میں ایک قیمتی سرمایہ ہیں ان کا مطالعہ ادب سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے پر کشش تحریریں ہیں۔

اردو ادب میں مغربی تراجم میں انہوں نے عالمی ادب کے شاہکار تراجم کا ذکر کیا جن سے اردو زبان کے ادبی سرمائے میں اضافہ ہوا اور اس زبان میں زیادہ تراجم ہونے کی وجہ سے اس کا مرتبہ دنیا کی دیگر ادبی زبانوں میں بلند ہوا۔ نظیر صدیقی جانتے تھے کہ دوسری زبانوں کے تراجم سے نہ صرف ادب منتقل ہوتا ہے بلکہ دوسری قوموں کے تجربات منتقل ہوتے ہیں بلکہ ان کی ذہانت اور فطانت بھی منتقل ہوتی ہے۔ ان سے معاشرے کیلئے کئی نئی جہتوں کا آغاز ہوتا ہے جو عملی و ادبی ورثے میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس مقصد کو پانے کیلئے نظیر صدیقی نے مغربی نظموں کے منثور ترجمے کئے ان تراجم کو اہل ادب و دانش نے بہت سراہا۔

"ترجمہ جہاں ایک طرف نئے خیالات اور فکری نظام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتا ہے وہیں دوسری طرف اظہار اور اسلوب کے قرینوں کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کرتا ہے"۔[9]

اس کے علاوہ ایک برطانوی فلسفی ڈبلیو ٹی اسٹیس کے ایک فلسفیانہ مضمون کا ترجمہ کیا۔ امید کے عنوان سے انہوں نے نواب شیر علی خان کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا ترجمہ کیا۔ ایک جاپانی ناول نگار فومیونیوا کے ناول "جوڑے بو" جس کا انگریزھی میں کینتھ اسٹرونگ نے "دی بدھاٹری" کے نام سے ترجمہ کیا یہ ترجمہ یونیسکو نے کرایا تھا جو مقدار میں بہت زیادہ تھا۔ نظیر صدیقی نے انگریزی سے اس کا ترجمہ اردو میں اعتراف کے نام سے کیا۔ اس ترجمے کو ایوارڈ بھی ملا جو ان کے بہترین مترجم ہونے کا ثبوت ہے۔

ادبی جہات میں ان کی اہم خدمات میں تدوین بھی شامل ہے۔ رشید احمد صدیقی ان کے محبوب ممدوح تھے۔ اردو ادب میں وہ ان کے پسندیدہ ترین ادیب تھے۔ ان کے بہت سے مضامین منتشر اور غیر مطبوعہ تھے جو رشید احمد صدیقی کے پرستاروں کے لئے سرمایہ سے کم نہ تھے۔ نظیر صدیقی نے بیس بائیس سال کے عرصے تک ان کی تلاش جاری رکھی اور ان کو یکجا کر کے مرتب کیا۔ ان میں تنقیدی مضامین، انشائیے، خاکے اور دیباچے اور پیش لفظ تھے۔ اقبال اور شبلی نعمان کے بعد رشید احمد صدیقی واحد ادبی شخصیت تھے جنہیں اکثر ادارے صدارت کے نشیب و فراز زاور ناہمواریوں کو انہوں نے اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے۔

"میں سالہاسال سے اس بات کا آرزو مند رہا ہوں کہ اردو ادب کا کوئی جوہری رشید صاحب کے ان جواہر پاروں کو جو رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں سمیٹ کر کتابی شکل میں منظر عام پر لے آئے اور زمانے کی دست برد سے محفوظ کر لئے"۔[10]

جس کرب سے وہ خود گزرے ہیں ان کی کوشش ہوتی کہ دوسرا کوئی اس کا شکار نہ ہو۔ یہ اقبال ان کی زندگی کا نچوڑ ہیں جن میں انہوں نے مربوط انسانی نفسیات کا مطالعہ پیش کیا اور جملے بازی میں اپنی رائے دی۔ یہ محض اقوال نہیں انکی زندگی کے تجربات ہیں مطلب حاصل زندگی کی عملی شکل ہیں۔ یہ اقوال آنے والے لوگوں کیلئے وعظ و نصیحت ہیں۔ نظیر صدیقی نے اپنی ساری زندگی ادب کیلئے وقف کی اور کتابوں میں گزاری ان کے ادب کیلئے خدمات کو کج آدائی کے باوجود بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک گہری نظر رکھے والے نقاد، منفرد شاعر اور انشائیہ نگار تھے۔ ان کی تنقید کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ وہ صف اول کے ناقدین میں سے تھے اردو میں انہوں نے تنقید نگاری کی روایت سے

ہٹ کر منفرد انداز میں تنقید کی۔ انگریزی میں جتنی کتابیں انہوں نے تصنیف کیں کسی مشرقی نقاد نے نہیں کیں۔ انہوں نے سنجیدگی سے اردو ادب کی خدمت کی۔ ان کے دلکش اسلوب بیان نے ان کی ہر تحریر کو دلچسپ بنایا ان کے فکر انگیز خیالات نے بحث کے لئے نئی راہیں کھولیں۔

صدارت کے خطبات میں بھی ان کے ادبی اسلوب اور منفرد انداز بیان ہوتا تھا۔ یہ بھی چونکہ ادبی سرمایہ تھا اس لئے منظر عام پر آنا ضروری تھا۔ اس لئے نظیر صدیقی نے انہیں یکجا کیا۔ اس منتشر ادبی سرمائے کو نظیر صدیقی نے نقش ہائے رنگ رنگ اور شیرازہ خیال کے عنوان سے شائع کرایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے یگانہ چنگیزی کی غزلوں کا انتخاب کیا دیباچہ لکھا اور اسے مرتب کیا۔ بطور مدون و مرتب ان کی یہ کتابیں اردو ادب کے سرمائے ہیں اضافے کا سبب ہیں۔ 1970ء کی دہائی میں ریڈیو پاکستان میں دو پروگراموں کے درمیان جو وقفہ ہوتا تھا اس کے لئے نظیر صدیقی نے کچھ جملے لکھے جو بعد میں انہوں نے اپنی کتاب ادبی جائزے اور اپنی خودنوشت سو یہ ہے اپنی زندگی میں سوچنے کی باتیں کے عنوان سے شامل کئے تھے۔ بظاہر تو یہ چالیس جملے ہیں لیکن یہ واقعی سوچنے کی باتیں ہیں کیونکہ ان کے اصلاحی پہلو لامحدود ہیں۔ ان کا مطالعہ اصلاحی نکتہ نظر سے اہمیت کا حامل ہیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر صدیقی کا اپنے اردگرد کے ماحول اور معاشرے کے ہر پہلو پر گہری نظر تھی وہ انسانوں سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ اس نے ان کے درد اور خوشی کو اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے فوراً سمجھ لیتے تھے۔ معاشرے انہوں نے جو کچھ لکھا ادبی میدان سے ہٹ کر دیکھیں تو سماج، معاشرہ، تہذیب اور اپنی ذات کا انکشاف کیا۔ وہ نرم خو، اخلاص مند، ایماندار، انصاف پسند اور بے باک ادیب تھے۔ اپنے سے کمتر لوگوں کو بھی برابری کا درجہ دیتے۔ نظیر صدیقی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اردو ادب کی جس صنف کو بھی لیا اس سے انصاف کیا لیکن معاصرانہ ادب نامے میں انہیں وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ حقدار تھے اور انہیں آخر دم تک اس کی حسرت رہی۔ اس کے باوجود ایمانداری سے اردو ادب کی خدمت میں لگے رہے اس یقین کے ساتھ کہ ان کی شاعری اور فکر و فن توجہ کا مرکز بنے گی۔ انہیں اہل جہاں اور خاص طور پر اہل ادب سے گلا رہا کہ ان کی تخلیقات اپنے عہد کی عکاس ہیں لیکن عہد کے عالموں کی عدم توجہ مایوس کن رہی۔

حوالہ جات

[1] احمد زین الدین، کیفیات و کارگزاری، مشمولہ سہ ماہی روشنائی، کراچی، 2000ء، ص183

[2] نثار احمد قریشی، ڈاکٹر، نذیر صدیقی، بے نظیر نقاد، مشمولہ سہ ماہی روشنائی، کراچی، 2000ء، ص83

[3] محمد حسن، ڈاکٹر، جاوید وارثی (مرتبین)، نذر نظیر، کراچی: بساط ادب، 1998ء، ص186

[4] فرحت پروین ملک، احمد زین الدین (مرتبین)، حرف تازہ، بیاد نظیر صدیقی، کراچی: زین پبلی کیشنز، 2005ء، ص237

[5] نظیر صدیقی، اردو میں عالمی ادب کے تراجم، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، 1986ء، ص9

[6] نظیر صدیقی، اردو ادب کے مغربی دریچے، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت چہارم، 2018ء، ص9

[7] فرحت پروین ملک، احمد زین الدین (مرتبین)، حرف تازہ، بیاد نظیر صدیقی، کراچی: زین پبلی کیشنز، 2005ء، ص121

[8] نظیر صدیقی، حسرت اظہار، اسلام آباد: بساط ادب پاکستان، اشاعت سوم، 1989ء، ص9

[9] عبدالعزیز ساحر، ڈاکٹر، ڈاکٹر جمیل جالبی، شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 2007ء، ص108

[10] نظیر صدیقی (مرتب)، نقش ہائے رنگ رنگ، ملتان: کاروان ادب، 1977ء، ص9